آزادیِ ہند اور تحریکِ ریشمی رومال

مولانا ابوالکلام قاسمی، شمسی

تحریکِ آزادی میں علمائے کرام کی جدوجہد وقربانی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تحریک اس وقت شروع ہوئی، جب ہندوستان کی آزادی کے لیے ملک میں کوئی دوسری تحریک شروع نہیں ہوئی تھی۔ ملک کی آزادی کے لیے اُنہوں نے ہر طرح کی قربانیاں دیں، قید وبند کی تکلیفیں برداشت کیں، پھانسیاں دی گئیں، کالا پانی بھیجے گئے۔ اس تحریک میں خود حصہ لیا، برادرانِ وطن کو دعوت دی، اور ان کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرانے میں پیش پیش رہے۔ ان حضرات نے ملک کی آزادی کے لیے بہت سی تحریکیں بھی چلائیں اور بہت سی تنظیمیں قائم کیں، جن کا ملک کی آزادی میں اہم رول رہا ہے۔ ان تحریکوں میں سے ریشمی رومال تحریک بہت مشہور ہے۔

قونصل جنرل برطانیہ کے ذریعہ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں موصول ہوئے ٹیلیگرام میں ریشمی خطوط کا خلاصہ موجود ہے۔ اس میں تحریر ہے:

> ''زیرِ نظر کیس کو ہم اپنی آسانی کے لیے ''ریشمی خطوط کا کیس'' اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں گہری اور مکمل واقفیت اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے ''تین خطوط'' کے پکڑے جانے سے حاصل ہوئی، جو کابل میں موجود سازشیوں نے حجاز میں موجود سازشیوں کو بھیجنے کے لیے روانہ کیے تھے۔ یہ واقعات جو اس تفتیش اور تحقیقات کا باعث ہیں، ان کا سلسلہ ۱۹۱۵ء کے اَوائل سے شروع ہوتا ہے۔''(۱)

ریشمی رومال تحریک کی سیاسی اہمیت بھی ہے اور تاریخی بھی۔ اس تحریک کا ملک کی آزادی میں اہم رول ہے۔ اس کی قیادت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔

> ''شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کا نام مولانا ذوالفقار علیؒ تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۸۵۱ء کو بریلی میں ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں سلسلۂ تعلیم شروع ہوا۔ ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ آپ سفر وحضر میں حضرت استاذ کے ساتھ رہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد معین مدرس بنائے گئے اور چار سال کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مدرسِ چہارم قرار دیے گئے۔ پھر ۱۸۸۸ء میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز کیے گئے، جس کے فرائض ۱۹۱۵ء تک انجام دیتے رہے۔''(۲)

دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے تقرر کو پانچ سال ہوئے تھے کہ آپ نے دارالعلوم ہی کے حلقہ میں ایک جماعت بنائی ''ثمرۃ التربیت'' اس کا نام تجویز کیا۔ دارالعلوم کے مالی مفاد کے لیے فضلاء اور ہمدردانِ دارالعلوم سے رابطہ رکھنا اس جماعت کا مقصد ظاہر کیا گیا؛ مگر ظاہر ہے کہ جملہ مقاصد کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاتا۔

۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں ''نظارۃ المعارف'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بانی حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور روحِ رواں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ تعلیم گاہ بھی تھا، تربیت گاہ بھی اور خفیہ مشورہ گاہ بھی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں:

''اس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم سے نوجوانانِ اسلام کے عقائد اور خیالات پر جو بے دینی اور زہریلا اثر پڑتا ہے اس کو زائل کیا جائے اور قرآن کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ ان کے شکوک وشبہات دینِ اسلام سے دور ہو جائیں اور وہ سچے اور پکے مسلمان ہو جائیں۔''(۳)

ساتھ ہی اس کا مقصد سیاسی بھی تھا۔ سی آئی ڈی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:

''دیوبند کو اپنے مشنریوں کی تربیت گاہ نہ بنا سکا تو عبیداللہ نے فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دلّی میں اس مقصد کے لیے قائم کرے۔ اس میں درس کے علاوہ جو ''نظارۃ المعارف'' میں دیا جاتا تھا وہ صریحاً درست نہیں تھا۔ یہ سازشوں کے لیے وقتاً فوقتاً مل بیٹھنے کے لیے ایک جلسہ گاہ بھی تھا۔''(۴)

۱۹۱۴ء میں عالمی جنگ چھڑ جانے کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ وقت قریب آ گیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے جنگ شروع کی جا سکتی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستانی عوام اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک خصوصاً افغانستان، ایران اور خلافت عثمانیہ کو متحد کیے بغیر برطانوی حکومت سے ایشیا کو آزاد نہیں کرایا جا سکتا ہے۔ اس وقت خلافتِ عثمانیہ مشرقِ وسطیٰ کے وقار کی محافظ سمجھی جاتی تھی اور ترکی ہی برطانیہ، اٹلی، فرانس، یونان اور روس کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا تھا؛ اس لیے آپ نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو افغانستان جانے کا حکم دیا اور خود حجاز وخلافتِ عثمانیہ کا سفر کیا۔

۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سندھیؒ کو کابل جانے کا حکم دیا، مگر انہیں کوئی مفصل پروگرام نہیں دیا۔ سی آئی ڈی کو غفلت میں ڈال کر شیخ عبدالرحیم سندھیؒ کے ساتھ کوئٹہ ہوتے ہوئے افغانستان کے لیے روانہ ہو گئے۔

شیخ عبدالرحیم سندھیؒ جنہوں نے اسلام کی حقانیت سے متأثر ہو کر اسلام قبول کر لیا، یہ بھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے معتمد تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو افغانستان جانے کے لیے

ان کی بیوی اور بیٹیوں نے اپنے زیورات فروخت کرکے زادِ راہ کی فراہمی کی تھی۔ روانگی کے وقت شیخ عبدالرحیمؒ کوئٹہ تک گئے اور وہاں جاکر روپے سپرد کرکے واپس لوٹ آئے۔

گرفتاری سے بچنے کے لیے مولانا سندھیؒ بلوچستان کے ریگستان اور سنسان پہاڑی راستوں اور دروں سے ہوتے ہوئے ۱۵/اگست ۱۹۱۵ء کو افغانستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔ اس وقت سورج غروب ہورہا تھا، افغانستان کی آزاد سرزمین پر انہوں نے پہلی مغرب کی نماز ادا کی اور حسنِ اتفاق یہی ۱۵/اگست ہندوستان کی آزادی کی تاریخ ہوئی۔ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں:

''۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گیا، مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا؛ اس لیے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی؛ لیکن تعمیلِ حکم کے لیے جانا ضروری تھا۔ خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کردیا اور میں افغانستان پہنچ گیا۔ روانگی کے وقت دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتلایا کہ میرا کابل جانا طے ہوچکا ہے، انہوں نے بھی مجھے اپنا نمائندہ بنایا، مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہ بتاسکے۔ کابل جاکر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ جس جماعت کے نمائندہ تھے، اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیلِ حکم کے لیے تیار ہے۔ ان کو میرے جیسے ایک خادمِ شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے اس انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔ میں سات سال تک حکومتِ کابل کی شرکت میں اپنا ہندوستانی کام کرتا رہا۔ ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خاں نے ہندوؤں سے مل کر کام کرنے کا حکم دیا، اس کی تعمیل میرے لیے فقط ایک ہی صورت میں ممکن تھی کہ میں انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوجاؤں، اس وقت سے میں کانگریس کا داعی بن گیا۔ ۱۹۲۲ء میں امیر امان اللہ خاں کے دور میں میں نے کانگریس کمیٹی کابل بنائی، جس کا الحاق ڈاکٹر انصاری کی کوششوں سے کانگریس کے گیا سیشن نے منظور کرلیا۔ برٹش ایمپائر سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی ہے اور میں اس پر فخر محسوس کرسکتا ہوں کہ میں اس کا پہلا پریسیڈنٹ ہوں۔'' (۵)

افغانستان کے جس علاقہ میں مولانا سندھیؒ داخل ہوئے، اس علاقہ کو ''سوریا یک'' کہا جاتا ہے۔ حضرت مولانا وہاں سے قندھار پہنچے، وہاں سے کابل پہنچے۔ ان کے سفر کا مقصد تھا افغانستان کو ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں اخلاقی اور فوجی امداد دینے کے لیے تیار کرانا۔ مولانا اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کوشش کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کیا اور ان کی مدد سے امیر حبیب اللہ تک رسائی حاصل کی اور اپنے مقصدِ سفر کے سلسلہ میں ایک عرض داشت پیش کی، جس میں افغانستان کو ہندوستان کی آزادی کے لیے امداد دینے کی درخواست تھی۔

''مولانا سندھیؒ کے کابل پہنچنے سے پہلے پنجاب اور سرحد کے انگریزی کالج کے طلبہ کا ایک وفد بھی کابل پہنچ چکا تھا، جہاں ان کو نظر بند کردیا گیا تھا۔ طلبہ کے اس وفد کا مقصد تھا خلافتِ عثمانیہ کی فوج میں شامل ہوکر انگریزوں سے لڑنا۔ ان طلبہ کو مولانا سندھیؒ نے کابل پہنچنے کے بعد رہا کرایا تھا۔ مولانا سندھیؒ نے ان

www.banuri.edu.pk

مہاجر طلبہ کو اپنے حلقہ میں شامل کرلیا، ان کو مشورہ دیا کہ وہ ترکی فوج میں شامل ہونے کا ارادہ ترک کردیں اور افغانستان ہی میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کریں، چنانچہ وہ طلبہ تیار ہوگئے۔ اور ان کے ساتھ مل کر مولانا سندھیؒ نے ایک عارضی حکومت قائم کی۔ اس عارضی حکومت کے تین رکن تھے: راجہ مہندر سنگھ، مولانا برکت اللہ بھوپالی اور مولانا عبیداللہ سندھی۔ اس عارضی حکومت نے مختلف ممالک میں اپنے وفود روانہ کرکے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں مارچ ۱۹۱۶ء کو ایک وفد روس بھیجا گیا، اس کے بعد دو وفد ترکی اور جاپان کے لیے روانہ کیے گئے۔ ترکی جانے والے وفد میں عبدالباری اور شجاع اللہ اور جاپان جانے والے وفد میں شیخ عبدالقادر اور ڈاکٹر متھرا سنگھ شامل تھے۔ جاپان جانے والے وفد کو گرفتار کرکے روسی حکام نے برطانیہ کے حوالے کردیا اور بدقسمتی سے ترکی جانے والا وفد بھی برطانوی حکام کے قبضہ میں آ گیا۔ ان کے بیانات سے سارے واقعات انگریزوں کے علم میں آ گئے۔ حکومتِ برطانیہ نے حکومتِ افغانستان سے احتجاج کیا، جس کے دباؤ میں آ کر حکومتِ افغانستان نے مولوی محمد علی اور شیخ ابراہیم کو ہندوستان جانے کا حکم دے دیا۔ یہ دونوں حبیبیہ کالج کے پرنسپل اور پروفیسر تھے۔‘‘(۶)

مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حالات سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو مطلع کرنا ضروری سمجھا اور ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر خط لکھ کر ۹؍جولائی ۱۹۱۶ء کو عبدالحق کو دیا اور اس کو ہدایت کردی کہ یہ خطوط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچادیں۔ ’’ریشمی رومال‘‘ کے اس خط کو ’’ریشمی رومال تحریک‘‘ یا ’’ریشمی خطوط تحریک‘‘ کہتے ہیں۔ یہ خطوط کیسے ہاتھ لگے؟ اس سلسلہ میں ریشمی خطوط سازش کیس میں آفیسران کی تحریر ملاحظہ ہو:

’’۱۴؍اگست کو ملتان کے خان بہادر رب نواز خاں نے ملتان ڈویژن کے کمشنر کو زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑے دکھائے جن پر خوش خط اردو لکھی تھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ یہ ۴؍اگست سے ان کے پاس تھے، لیکن کمشنر کی عدم موجودگی کے باعث پیش نہیں کیے جاسکے۔ خان بہادر نے بتایا کہ اُنہیں یہ خطوط عبدالحق سے ملے ہیں، جو پہلے ان کے لڑکوں کا اتالیق تھا اور ۱۹۱۵ء میں ان کے ہمراہ کابل گیا تھا۔ عبدالحق نے رب نواز خاں کو یہ خطوط پیش کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ان خطوط کو پہنچانے کے لیے ہی اس کو کابل سے بھیجا گیا ہے، جو حیدرآباد سندھ میں عبدالرحیم کو دیے جانے تھے، تاکہ وہ ان خطوط کو مدینہ روانہ کردے۔ عبدالحق کو عبدالرحیم سے ان خطوط کی رسید لینی تھی اور اس رسید کو واپس کابل لے جانا تھا۔

کمشنر ملتان نے اس خط کے بعض حصے پڑھوا کر سنے اور اُنہیں بچوں کی سی حماقت قرار دیا، تاہم ان خطوط کو پنجاب سی آئی ڈی کے حوالہ کردیا گیا۔ پنجاب سی آئی ڈی کے مسٹر ٹومکنس نے ان خطوط کا ترجمہ کرایا اور عبدالحق قاصد پر جرح کرائی۔‘‘(۷) انگریز آفیسران خطوط کی تحریر کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

’’ان خطوط کی تحریر بہت اچھی، نہایت صاف اور پختہ ہے۔ نہ تو کوئی لفظ کھرچ کر صاف کیا گیا ہے، نہ کہیں کچھ مٹایا گیا ہے، نہ کسی لفظ کی اصلاح کی گئی ہے۔ صرف ونحو کی صرف ایک نہایت معمولی غلطی پوری تحریر میں نظر آتی ہے۔ خط کی زبان اگرچہ بعض مقامات پر مبہم ہے، جیسا کہ

بالعموم سازشی تحریروں میں ہوتی ہیں؛ لیکن اچھے تعلیم یافتہ، بلکہ عالم شخص کی زبان ہے۔‘‘(۸)

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ریشمی رومال پر خطوط لکھے تھے‘ تاریخی اور سیاسی اعتبار سے وہ خطوط نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ان میں سے پہلا خط شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا۔ یہ خط ٦ (چھ) انچ لمبے اور ۵ (پانچ) انچ چوڑے ٹکڑوں پر لکھا گیا تھا۔ دوسرا خط حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نام تھا۔ یہ خط ۱۰ (دَس) انچ لمبے اور ۸ (آٹھ) انچ چوڑے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا گیا تھا۔تیسرا خط ۱۵ (پندرہ) انچ لمبے اور ۱۰ (دس) انچ چوڑے ٹکڑے پر لکھا گیا تھا، یہ خط شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نام تھا۔ریشمی خطوط سازش کیس میں ان خطوط کے سلسلہ میں جو تفصیل درج ہے، وہ یہ ہے:

’’یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر ہیں، ان میں پہلا خط شیخ عبدالرحیم صاحب کے نام ہے۔ یہ ٹکڑا چھ انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا ہے۔دوسرا خط مولانا کے نام ہے، یہ دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا ہے۔تیسرا خط بظاہر پہلے خط ہی کے تسلسل میں ہے۔ پندرہ انچ لمبا اور دس انچ چوڑا ہے۔ پہلے اور تیسرے خطوط پر’’عبیداللہ‘‘ دستخط ہیں۔عبدالحق نے ہمیں بتایا ہے کہ مولوی عبیداللہ نے اس کو یہ تینوں ریشمی رومال دیے ہیں، جن پر اس کی موجودگی میں مولوی عبیداللہ نے خطوط لکھے تھے۔اس میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ عبیداللہ نے خود ہی یہ خط لکھے تھے۔عبیداللہ نام کے دستخط عبیداللہ کے ان دستخطوں سے پوری مطابقت رکھتے ہیں، جو یہاں ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔‘‘(۹)

ریشمی خطوط کے مضمون کیا تھے؟ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

’’پہلا خط جو شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا، اس کا مضمون یہ تھا: ’’یہ خط حضرت مولانا شیخ الہند کو مدینہ بھیجنا ہے۔حضرت شیخ الہند کو خط کے ذریعہ بھی اور زبانی بھی آگاہ کردیں کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں۔حضرت مولانا شیخ الہند مطلع ہوجائیں کہ مولانا منصور انصاری اس بار حج کے لیے نہ جاسکیں گے۔شیخ عبدالرحیم کسی نہ کسی طرح کابل میں مولانا سندھی سے ملاقات کریں‘‘۔

دوسرا خط شیخ الہندؒ کے نام تھا، جس کے سلسلہ میں ہدایت تھی کہ تحریک کے ممتاز کارکنوں کو بھی یہ خط دکھادیا جائے۔اس خط میں رضا کار فوج’’جنود اللہ‘‘ اور اس کے افسروں کی تنخواہوں کا تذکرہ ہے۔ ۱۰۴/افراد کے نام ہیں، جنہیں فوجی تربیت اور ان کے کام کی ذمہ داری کے سلسلہ میں تحریر ہے۔اس کے علاوہ راجہ مہندر پرتاب سنگھ کی سرگرمی، جرمن مشن کی آمد، عارضی حکومت کا قیام، روس، جاپان اور ترکی وفود کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

تیسرا خط حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نام تھا۔مشہور یہ ہے کہ یہ خط مولانا منصور انصاری نے لکھا تھا؛ لیکن عبدالحق، جنہیں یہ خط پہنچانے کے لیے دیا گیا تھا، کا بیان ہے کہ یہ خط مولانا سندھی نے اس کے سامنے لکھا تھا۔اس خط کے خاص مضامین یہ ہیں کہ ہندوستان میں تحریک کے کون کون سے کارکن سرگرم

ہیں اور کون کون سے لوگ سست پڑ گئے ہیں۔ اس میں مولانا آزادؒ اور مولانا حسرت موہانیؒ کی گرفتاری کی اطلاع بھی تھی۔ اس میں یہ بھی تحریر ہے کہ میرا حجاز آنا ممکن نہیں ہے۔

''غالب نامہ'' تحریک کے کارکنوں کو دکھا کر قبائلی علاقہ کے سرداروں کو دکھا دیا گیا ہے۔ حاجی ترنگ زئی اس وقت ''مہمند'' علاقہ میں ہیں۔ مہاجرین نے مہمند اور ''سوات'' کے علاقہ میں آگ لگا رکھی ہے۔ جرمن ترک مشن کی آمد اور اس کے ناکام ہونے کے اسباب کا تذکرہ بھی ہے۔ مشن کی ناکامی کے اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ جرمنی اور ترکی کو چاہیے تھا کہ پہلی جنگِ عظیم میں شامل ہونے سے پہلے ایران اور افغانستان کی ضرورت معلوم کرے اور اس کو پورا کرنے کی صورت نکالے۔ اس کے علاوہ افغانستان کو جنگ میں شریک ہونے کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے، اس کی تفصیل درج ہے۔ ساتھ ہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر ترکی، افغانستان اور ایران میں معاہدہ کرانے کی کوشش کریں۔ اس خط میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی گزارش کی گئی تھی کہ وہ ہندوستان نہ آئیں، حکومت نے ان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' (۱۰)

مولانا سندھیؒ نے یہ خطوط ریشمی رومال پر لکھ کر عبدالحق کو دیے، اور اس کو ہدایت کردی کہ یہ خط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچا دیں۔ عبدالحق ایک نومسلم تھا، وہ مہاجر طالب علموں کے ساتھ افغانستان گیا تھا۔ مہاجر طالب علموں میں دو طالب علم: اللہ نواز اور شاہ نواز قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں رب نواز کے لڑکے تھے، جو ملتان میں انگریزی ایجنٹ تھا، عبدالحق بھی رب نواز کے یہاں رہتا تھا۔

جب یہ خطوط عبدالحق کو پہنچانے کے لیے دیے گئے تو وہ سرحد کے راستے سے پنجاب ہوتا ہوا بہاولپور پہنچا' وہاں بہاولپور کے مرشد کے پاس وہ کوٹ رکھ دیا جس کے استر میں وہ ریشمی ٹکڑے سلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ بہاولپور سے اپنے آقا رب نواز سے ملاقات کرنے کے لیے ملتان چلا گیا۔ اس نے ان دونوں کی خیریت کے علاوہ تحریک اور اس کی سرگرمی، قبائلی علاقہ اور جیل کے واقعات اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی سرگرمیوں کی تفصیل بھی بتادی۔ اور دھمکانے پر بہاولپور کے مرشد مولانا محمد کے پاس سے لاکر وہ کوٹ بھی دیا، جس کے استر میں وہ ریشمی خطوط سلے ہوئے تھے۔ جب رب نواز کو یہ خطوط ہاتھ لگے تو اس نے غداری کی، اور اس نے فوراً ہی کمشنر سے ملاقات کی، اور ریشمی خطوط پیش کیے اور تمام تفصیلات سے اس کو باخبر کردیا۔ ساتھ ہی عبدالحق کو کمشنر کے پاس لے گیا، اس کے صلہ میں اس کو ''خان بہادر'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ اس طرح وہ رب نواز سے خان بہادر رب نواز بن گیا۔

۱۰؍ اگست ۱۹۱۶ء کو رب نواز کے ذریعہ کمشنر کو مفصل رپورٹ ملی، اور پھر کیا تھا، اس کی روشنی میں حکومت نے نہایت ہی تیزی سے کارروائی شروع کردی، چھاپے مارے گئے اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ اور اس طرح ۲۲۰؍ افراد کے خلاف انکوائری اور پوچھ پاچھ کی گئی۔ ۵۹؍ اشخاص پر حکومت برطانیہ کا تختہ الٹنے کا اور

www.banuri.edu.pk

غیر ممالک سے امداد حاصل کرنے کی سازش کا مقدمہ قائم کیا گیا۔مولانا سندھیؒ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے:

’’ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ہم حیران رہ گئے، چندروز بعد شیخ الہندؒ اوران کے ساتھی مکہ معظّمہ میں گرفتار کیے گئے۔ایک عرصہ کے بعد ہمیں حقیقت معلوم ہوئی،اس کے ساتھ ہی کابل کی حالت بھی خراب ہونے لگی، امیر حبیب اللہ کی رائے بھی بدل گئی،وہ نہیں چاہتا تھا کہ افغانستان اس تحریک میں کوئی دلچسپی لے یا ہندوستان کوکسی قسم کی مدد دے۔اس کے علاوہ انگریزوں کا دباؤ مولانا سندھی اوران کے ساتھیوں کے سلسلہ میں امیر حبیب اللہ پر بڑھ رہا تھا۔آخرکار حبیب اللہ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ اوران کے ساتھیوں کی گرفتاری اورنظر بندی کا حکم جاری کردیا۔‘‘

یہ تینوں خط انڈیا آفس لائبریری لندن کے پولیٹیکل اورسکریٹریٹ شعبہ میں من وعن محفوظ ہیں۔

تحریک آزادی کے لیے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مرکز بھی سرحدی علاقہ کو بنایا تھا۔ انگریزوں سے مقابلہ میں مجاہدین وہاں کام کررہے تھے اور انگریزوں سے مقابلہ کررہے تھے۔ وہاں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی،مگرآپ اس حقیقت کو پوری طرح محسوس کررہے تھے کہ کہاں کا سفر ضروری ہے، چنانچہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

’’مرکز یاغستان سے تقاضہ ہورہا تھا کہ حضرت وہاں تشریف لے آئیں،تو مجاہدین کا اجتماع اور زیادہ ہوجائے گا،آپس کے تفرقہ کا خطرہ نہ رہے گا،اورکاروبار جہاد میں پختگی آجائے گی،لیکن مجاہدین اور ضروریاتِ جہاد کے لیے غیر معمولی امداد کی بھی ضرورت تھی اورحضرت کے علاوہ اورکوئی ایسا نہ تھا کہ لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہوں‘ اورمحض خفیہ اشارہ پرغیر معمولی امداد پیش کردیں۔لہٰذا حضرت نے یاغستان جانا خلافِ مصلحت سمجھا،مسلسل تقاضوں کے بعد کچھ تیار بھی ہوئے تو خبر پہنچی کہ میگزین ختم ہو چکا ہے،رسد بھی باقی نہیں رہی،اوریہ کہ عوام کی خفیہ امدادی ضروریات جہاد کے لیے کافی نہیں ہوسکتیں،لہٰذا کسی باقاعدہ حکومت کوآمادہ کیا جائے کہ وہ پشت پناہی کرے۔اس مرحلہ پرحضرت نے یاغستان کے بجائے حجاز کا ارادہ کیا کہ ترکی حکومت سے رابطہ قائم کریں اورمرکز یاغستان کے لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو مامور فرمایا۔

مکہ معظّمہ پہنچنے کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقصد کے لیے کوشش شروع کردی اور گورنر حجاز سے ملاقت کرکے اپنا مقصد سمجھایا،گورنر نے تمام باتیں غور سے سنیں،ضروری سوالات کے جوابات حاصل کیےاوراسی طرف سے جواب دینے کے لیے حضرت شیخ کودوسرے دن اپنے یہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔حضرت شیخ سے مختلف موضوع پرگفتگو کرنے کے بعد وہ اتنا متاثر ہوا کہ حضرت شیخؒ اپنے مقصد کے لیے جوتحریر حاصل کرنا چاہتے تھے،وہ مرتب کرکے انہوں نے دے دی،اس میں سب سے اہم مسلمانانِ ہند کے نام پیغام تھا‘ جس میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پراعتماد ظاہرکرتے ہوئے ان کی جدوجہد کی تحسین کی تھی اور ہدایت کی تھی کہ ان کی حمایت اورامداد کریں۔اس کے علاوہ اپنی یعنی ترکی حکومت کی طرف سے بھی امداد کا یقین دلایا،یہ تحریر’’غالب نامہ‘‘ کے نام سے مشہور ہوئی،اوراس کی کاپیاں یاغستان

www.banuri.edu.pk

میں تقسیم کی گئیں۔ اس تحریر کے علاوہ دوسری تحریر مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھی، جس میں حضرت شیخ پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فرمائش کی تھی کہ ان کو استنبول انور پاشا کے پاس پہنچا دیں۔ تیسری تحریر انور پاشا کے نام تھی کہ یہ معتمد بزرگ ہیں، ان کے مطالبات پورے ہونے چاہئیں، لیکن حضرت شیخ کو استنبول جانے کی ضرورت پیش نہ آئی، کیونکہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر ۶ ر محرم الحرام ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء کو مدینہ منورہ پہنچے تو خود انور پاشا اور جمال پاشا اپنے سرکاری پروگرام کے مطابق مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ وہیں حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی اور حضرت شیخ کی فرمائش کے بموجب ان حضرات نے فرامین اور پیغامات لکھ کر دے دیئے۔ ان پیغامات کا مضمون بھی وہی تھا جو ''غالب نامہ'' کا تھا، یعنی ہندوستانیوں کے مطالبۂ آزادی کی تحسین کی گئی تھی، اور اپنی طرف سے امداد و اعانت کا وعدہ تھا اور ہر شخص کو جو ترکی کی رعیت یا ملازم ہو، حکم تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب پر اعتماد کرے اور ان کی اعانت میں حصہ لے۔ یہ فرمان صندوق کی دوسری تلی میں پیوست کر کے ہندوستان پہنچائے گئے، پھر ان کے فوٹو لیے گئے، اور ان کو افغانستان و یاغستان پہنچایا گیا۔ مولانا سید محمد میاں صاحب تحریر کرتے ہیں:

''حضرت خود تو حجاز ہی میں ٹھہر گئے، لیکن ''غالب نامہ'' اور دوسرے ضروری کاغذات بطریقِ محفوظ ہندوستان پہنچانے کی تدبیر یہ سوچی کہ کپڑے رکھنے کے لیے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا، اس کے تختے اندر سے کھود کر کاغذات رکھ دیے، پھر اُنہیں اس طرح ملا دیا کہ باہر سے دیکھنے والا کتنا ہی مبصر کیوں نہ ہو، پتہ نہ لگا سکے، بلکہ شبہ بھی نہ کر سکے۔ یہ صندوق مولانا ہادی حسن رئیس خاں جہان پور (ضلع مظفر نگر) اور حاجی شاہ بخش سندھی کے حوالہ کر دیا گیا۔ بمبئی میں جہاز پر سی آئی ڈی بھی موجود تھی اور اہلِ شہر بھی بکثرت آئے ہوئے تھے۔ اُنہیں میں سے مولانا محمد نبی نام ایک مخلص نے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو ابھی مجھے دے دیجیے، چنانچہ صندوق اُنہیں دے دیا گیا، وہ اُسے محفوظ نکال لائے اور توڑ کر تحریریں نکال لیں۔ دہلی میں حاجی احمد میرزا فوٹو گرافر نے ان کے فوٹو لیے اور مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری کے ہاتھ یہ تحریریں سرحد بھیج دی گئیں، بعد ازاں حضرت نے اپنے ایک عزیز کو اس خیال سے تحریروں کا راز بتا دیا کہ وہ ہندوستان واپس جا کر ان کے فوٹو لینے اور جا بجا پہنچانے کا پیغام اربابِ کار تک پہنچانے کا انتظام کریں، مگر اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس نے کچھ بتا دیا، جس کی بنا پر مختلف اصحاب کی تلاشیاں ہوئیں اور اُنہیں گوناگوں مصائب سے سابقہ پڑا۔''(۱۱)

''اسی زمانہ میں انگریزوں سے مل کر مکہ کے گورنر شریف حسین نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت سے اور بے چینی ہندوستان میں بھی پیدا ہوئی۔ حکومتِ ہند نے خان بہادر مبارک علی اورنگ آبادی کو خفیہ طور پر مکہ معظّمہ بھیجا کہ وہاں سے ترکی کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے لائیں، چنانچہ شریف حسین کے عہدہ دار علماء کی مدد سے خان بہادر نے استفتاء اور اس کا جواب مرتب کرایا، جس میں ترکی فوج کی مطلقاً تکفیر تھی اور سلاطین آل عثمان کی خلافت سے انکار کیا گیا تھا اور شریف

حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا۔ شریف حسین سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء نے اس پر دستخط کردیے تھے، لیکن علماء کی کثیر تعداد متردد اور خائف تھی۔ حضرت شیخ کے سامنے فتویٰ پیش کیا گیا تو حضرت موصوف نے سختی سے انکار کردیا۔ آپ کے انکار پر تمام حق پرست علماء کی ہمت بلند ہوگئی، جو حضرات متردد اور خائف تھے، ان سب نے دستخط کرنے سے انکار کردیا۔ فتویٰ پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے حکومتِ ہند نے ان حضرات کو شریف حسین سے طلب کیا، شریف نے گرفتاری کے احکام جاری کردیے۔ حضرت شیخ طائف میں گرفتار کرلیے گئے اور وہاں سے ۱۵؍فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا روانہ کردیے گئے، جو سیاسی اور جنگی قیدیوں کا مرکز تھا۔ وہاں سخت تکلیف کی زندگی گزارنے کے بعد ۸؍جون ۱۹۲۰ء کو تین برس سات مہینے کے بعد بمبئی پہنچا کر آپ کو رہا کیا گیا۔''(۱۲)

واپسی کے بعد ملک کی آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ مالٹا ہی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی آزادی ایک قوم اپنی کوشش سے حاصل نہیں کرسکتی ہے۔ ۱۸۳۱ء سے ۱۹۱۵ء تک کا تجربہ ان کے سامنے تھا، لہٰذا آپ نے تشدد کی پالیسی بدل دی اور ہندوستان کی آزادی کو ہندو اور مسلمان کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل کرنے کی تجویز پیش کی اور پھر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا، جس نے تحریکِ آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ اس طرح ملک کی آزادی میں ''ریشمی رومال تحریک'' کا اہم رول ہے اور تاریخِ آزادی کا اہم باب بھی۔ آج ہمارا ملک آزاد ہے اور ہم آزاد ملک میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان مجاہدین کے کارناموں کو یاد کریں اور خراجِ تحسین پیش کریں، جنھوں نے ملک کی آزادی میں حصہ لیا۔ ملک کی آزادی میں ہمارے اکابر نے سرگرم حصہ لیا ہے اور ان کی قیادت نے تحریکِ آزادی کو تیز کیا ہے جو ہندوستان کی تاریخ آزادی کا اہم باب ہے۔ ریشمی رومال تحریک کے سوسال کے موقع پر ہم ان مجاہدین کی آزادی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کو ملک کی آزادی کے لیے قربان کردیا اور ہمیں آزاد ملک میں زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرایا۔

مآخذ ومراجع

۱:......ریشمی خطوط سازش کیس، ص:۱۶۶۔
۲:......نقش حیات، جلد دوم، ص:۱۳۱۔
۳:......ایضاً، ص:۱۷۸۔
۴:......ریشمی خطوط سازش کیس، ص:۱۹۶، ۱۹۷۔
۵:......ذاتی ڈائری: ص:۲۰، ۲۱، ۲۲۔ نقش حیات، جلد دوم، ص:۱۴۵۔
۶:......نقش حیات، جلد دوم، ص:۱۶۷۔
۷:......ریشمی خطوط سازش کیس، ص:۱۲۶۔
۸:......ایضاً، ص:۱۲۸۔
۹:......ایضاً، ص:۱۲۷۔
۱۰:......ایضاً، ص:۱۲۹۔
۱۱:......ایضاً، ص:۲۰۷۔
۱۲:......ایضاً۔

☆☆☆

(بشکریہ: ماہنامہ دارالعلوم، دیوبند، ماہ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ)